اردو افسانے کے انتخابات پر ایک نظر

محمد نصر اللہ
لیکچرار اُردو، پی ایچ ڈی اسکالر
گورنمنٹ گورونانک پوسٹ گریجوایٹ کالج ننکانہ صاحب

Abstract

This article casts a critical glance on the anthologies of Urdu short stories. In this article 57 anthologies of Urdu short stories have been explored and analyzed and an attempt has been made to seek the answers of such significant questions as: What is an anthology? What are different types of an anthology? Which anthologies might be dubbed as standard and which are not and on what basis? What is the importance of the literary worth of the compiler? Can the popularity and worth of a writer be measured from an anthology? Which short story writers have occupied more space in anthologies? Morever the point that those short story writers who have got less space in the anthologies, but they relish a stastus ofdistinguished writer has also been discussed.

اردو افسانے کے انتخابات کا اجمالی جائزہ لینے سے قبل یہ مناسب ہوگا کہ لفظ انتخاب پر روشنی ڈال لی جائے۔

نور اللغات میں لفظ ''انتخاب'' کے لغوی معانی یہ بیان کیے گئے ہیں:

''ا۔ پسند کرنا، چننا، (جیسے آپ کا انتخاب پسندیدہ ہے۔
۲۔منتخب، چیدہ، (جیسے) آپ کا سب کلام انتخاب ہے۔''(۱)

فرہنگ آصفیہ میں لفظ ''انتخاب'' کے معانی درج ذیل بیان کیے گئے ہیں:

''خلاصہ، لب لباب، چنا ہوا، چیدہ، ست، نچوڑ، عطر۔''(۲)

انگریزی زبان میں لفظ انتخاب کا ترجمہ Edit, Compile, Elect, Extract, Choice

Selection , اور Anthology کیا جاتا ہے جبکہ انگریزی زبان میں انتھالوجی کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ مختلف شاعروں اور نثر نگاروں کے فن پاروں میں سے پسندیدہ فن پاروں کو چن کر شائع کر دیا جائے۔ مثلاً Merriam Webster Dictionary میں Anthology کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

": A published collection of writing (such aspoems or short stories) by different authors,:A collection of work art or music." (3)

Kitabistan Dictionary میں Anthology کا مفہوم درج ذیل بیان کیا گیا ہے:

" 1. Collection of poems or pieces of prose by different writers.

بیاض،(ادبی کشکول،گلدستہ،مجموعہ منتخب کلام،انتخاب

2. Selection from the works of same author. ". (4)

لفظ انتخاب کے مذکورہ مفاہیم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اردو کی شعری روایت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اردو کی شعری روایت میں ہمیں بیاض کی ایک شکل تو یہ نظر آتی ہے جو شعرا کے ذاتی ملکیت کے اوراق کی حیثیت رکھتی ہے یعنی جس میں شاعر اپنا کلام محفوظ کرتا ہے، لیکن بیاض ہی کی ایک صورت شعری انتخاب سے متعلق بھی ہوتی ہے جس میں شاعر خود اپنا کلام درج نہیں کرتا بلکہ اپنے پسندیدہ شعرا کا کلام چن کر بیاض میں لکھتا ہے۔

اردو میں تذکرہ نگاری کی روایت پر نظر ڈالنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مختلف تذکرہ نگار اپنے پسندیدہ شعرا کے مختصر حالات و واقعات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا منتخب کلام بھی تذکروں میں پیش کرتے تھے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی بھی اُردو تذکروں کو بیاض نگاری کی صنف کے ساتھ ملاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بیاض نگاری بھی سادہ قسم کے تذکرے ہی کی ایک صورت ہے:

> ''بیاض نویسی بھی تذکرے کی طرح ایک مقبول عام شغل تھا۔ جو لوگ عمدہ تذکرے نہ لکھ سکتے تھے وہ اپنے ذوق کی تشفی کے لیے بیاض اشعار بنا لیتے تھے جس میں اپنی پسند کے اشعار اور غزلیں، شاعر کے نام اور مختصر حالات کی قید سے جمع کر لیتے تھے۔۔۔۔۔شعرا کے کلام کا انتخاب بھی ایک دل پسند چیز تھی۔ بہت سے صاحبان ذوق قدیم جدید شعرا کے کلام کا عمدہ انتخاب خاص ترتیب کے ماتحت جمع کر لیا کرتے تھے جس کے ساتھ نہایت مختصر حالات شعرا کے دے دیے جاتے تھے مگر بعض اوقات صرف نام دیا جاتا تھا۔''(۵)

مذکورہ اقتباس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اُردو افسانے کے انتخابات کی روایت سے قبل بیاض نگاری اور تذکرہ نویسی کی شکل میں اُردو میں شعری انتخابات کی روایت کا آغاز ہو چکا تھا اور اسی طرح نوآبادیاتی عہد میں مغربی

شاعری کے تراجم کی شکل میں بھی بعض انتخابات شائع ہونے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، مثلاً اس حوالے سے محی الدین خلوت نے ۱۹۲۴ء میں ترجموں کا ایک انتخاب ''دو آتشہ'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ نو آبادیاتی عہد ہی میں نظم طباطبائی نے گرے کی نظم ''ایلجی'' کا ''گورِ غریباں'' کے عنوان سے ترجمہ کیا، جسے بہت مقبولیت ملی، منظوم ترجمہ نگاری میں نظم طباطبائی کے علاوہ نادر کاکوروی، سورج نرائن مہر، اور سرور جہان آبادی جیسے مترجمین کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اُردو میں بیاض نگاری اور تذکرہ نویسی کی شکل میں شعری انتخابات کے ساتھ ساتھ منظوم تراجم کے انتخابات کی روایت کے زیر سایہ ہی اُردو افسانے کے انتخابات کی روایت کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے بھی اپنے پوسٹ ڈاکٹریٹ کے مطبوعہ مقالے ''ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری'' میں نو آبادیاتی عہد کے اردو نصابات کا مابعد نو آبادیاتی مطالعہ کرتے ہوئے ان نظموں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جو نظمیں نصابات میں منتخب ہوتی تھیں۔ ان میں چند نظمیں انگریزی سے ترجمہ ہو کر نصابات میں منتخب ہوتیں اور چند نظمیں ان نظموں سے متاثر ہو کر لکھی جاتیں۔ جس طرح بیاضوں اور تذکروں میں شعرا کے منتخب کلام کے ساتھ ساتھ اُن کے مختصر حالات کا ذکر ملتا ہے اسی طرح اُردو افسانے کے انتخابات میں بھی افسانہ نگاروں کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ ان کے مختصر سوانح وادبی حالات کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن ان مختصر سوانح وادبی حالات کا ذکر ہر افسانے کے انتخاب میں نہیں ملتا بلکہ چند انتخابات ہی میں افسانوں کا انتخاب کرنے والوں نے منتخب افسانہ نگاروں کے حالات کا اور ان کے ادبی سفر کا جائزہ لیا ہے۔ یہ مختصر تعارف صرف ابتدائی اُردو افسانے کے انتخابات ہی میں نظر نہیں آتا بلکہ موجودہ صدی میں ہونے والے بعض انتخابات میں بھی یہ صورت نظر آتی ہے۔ بعض انتخابات میں اگر افسانہ نگاروں کے حالات کا ذکر نہ بھی ملے تو عام طور پر کتاب کا آغاز تقریب، پیش نامہ، ابتدائیہ، پیش گفتار،

عرض مرتب، پیش لفظ، حرف آغاز، حرف اول، مقدمہ، دیباچہ، آغاز کتاب سے پہلے، کچھ اس کتاب کے بارے میں، مجھے کچھ کہنا ہے اپنی زبان میں، جیسے الفاظ سے ہوتا ہے اور مذکورہ عنوانات کے تحت لکھے جانے والے صفحات میں مرتب عام طور پر انتخاب سے متعلق مختصراً یا تفصیلاً اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ اُردو افسانے کے انتخابات پر نظر ڈالتے ہوئے سب سے پہلا سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ اُردو افسانے میں انتخابات کا آغاز کب ہوا؟

مذکورہ بیانات سے یہ بات تو معلوم ہو جاتی ہے کہ اُردو افسانے میں انتخابات کا آغاز شعری انتخابات کی روایت کے زیر سایہ ہوا مگر یہ سوال اپنی جگہ پر موجود رہتا ہے کہ اُردو افسانے کا پہلا انتخاب ہے کون سا؟

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کی تحقیق کے مطابق ''انگارے'' کا شمار اُردو افسانے کے اولین انتخابات میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''اُردو افسانے کی روایت'' میں اُردو افسانے کے ابتدائی انتخابات سے لے کر موجودہ دور تک پینتالیس انتخابات کی فہرست گنوائی ہے جس میں ان کے نزدیک اُردو افسانے کی اولین انتھالوجی انگارے ہے۔

بقول مرزا حامد بیگ:

''اُردو افسانے کی اولین انتھالوجی ''انگارے'' مرتبہ احمد علی (مطبوعہ ۱۹۳۲ء)۔'' (۶)

راقم کی تحقیق کے مطابق انگارے سے قبل بھی اُردو افسانے کا انتخاب شائع ہو چکا تھا جس کا ذکر مرزا حامد بیگ نے نہیں کیا۔ یہ انتخاب ۱۹۲۵ء میں ''شمع شبستان'' کے عنوان سے جہانگیر بک کلب چابکسواراں، لاہور سے شائع ہوا۔ اس انتخاب میں سات صفحے کے دیباچے کے علاوہ درج ذیل افسانہ نگاروں کے افسانے شامل ہیں۔ ۱۔سجاد حیدر بی اے۔(نکاح ثانی) ۲۔مولانا راشد الخیری (سارس کی تارک الوطنی) ۳۔سلطان حیدر جوش (پھر بھی عمر قید) ۴۔خواجہ حسن نظامی (مرزا مغل کی بیٹی) ۵۔منشی پریم چند (بوڑھی کاکی) ۶۔حکیم احمد شجاع بی۔اے (گناہ کی رات) ۷۔مولانا نیاز فتح پوری (محبت کی دیوی) ۸۔لطیف احمد (میں ہوں اپنی شکست کی آواز) ۹۔عبدالمجید سالک بی اے (عشق کی دلہن) ۱۰۔امتیاز علی تاج (نابینا نوجوان) ۱۱۔احمد شاہ بخاری۔ایم۔اے پطرس (عشق کی خودکشی) ۱۲۔عابد علی عابد بی۔اے (گناہ کی قربانی) ۱۳۔محمد الدین تاثیر ایم۔اے (شیر افضل) ۱۴۔میاں محمد اسلم (کنولا) کے افسانے شامل ہیں۔

راقم یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ مذکورہ انتخاب ہی اُردو افسانے کا پہلا انتخاب ہے، ممکن ہے اس سے قبل بھی اُردو افسانے میں کوئی انتخاب شائع ہوا ہو جس تک راقم کی رسائی نہ ہو سکی ہو۔

مگر راقم کی تحقیق کے مطابق ''شمع شبستان'' انتخاب کا شمار اُردو افسانے کے اولین انتخابات میں ہوتا ہے۔

اُردو فسانے کے انتخاب کا جائزہ لیتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو افسانے کے انتخابات ایک ہی قسم کے نہیں ہیں بلکہ ان میں بڑی رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ مثلاً بعض انتخابات ایسے ہیں جو کسی ایک ہی افسانہ نگار کی تخلیقات کو پیش کرتے ہیں۔ ایسے انتخابات میں ایک ہی افسانہ نگار کے تمام افسانوں میں سے چند پسندیدہ افسانوں کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اس پسندیدگی کا تعین مرتب کرتا ہے۔ عام طور پر یہ انتخابات درج ذیل عنوانات سے شائع ہوتے ہیں مثلاً منٹو کے بہترین افسانے، کرشن چندر کے بہترین افسانے، پریم چند کے شاہکار افسانے وغیرہ۔

بعض انتخابات ایک سے زیادہ افسانہ نگاروں کے فن پاروں کو پیش کرتے ہیں۔ ایسے انتخابات میں ہر افسانہ نگار کا عام طور پر ایک ایک افسانہ یا دو دو افسانے ہی منتخب کیے جاتے ہیں۔ ان انتخابات کے عنوانات کی مثال یہ ہے مثلاً: میرا پسندیدہ افسانہ، مرتبہ بشیر ہندی، میرے پسندیدہ افسانے، مرتب: ڈاکٹر آصف ریاض قدیر یا اُردو ادب کے

لازوال افسانے مرتبہ: پروفیسر صدیق شاہد وغیرہ۔

بعض انتخابات ایسے ہیں جنھیں افسانہ نگار خود اپنے ہی افسانوں میں سے منتخب کر کے شائع کراتا ہے۔ خود منتخب کردہ افسانوں کے انتخاب کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی کی کتاب ''افسانے'' خود منتخب کردہ چالیس بہترین افسانے'' کی مثال دی جا سکتی ہے۔

بعض انتخابات معاصر ادب سے آگاہ کرنے کے لیے شائع کیے جاتے ہیں ان انتخابات کو عصری انتخابات کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ہم عصر اُردو افسانہ، مرتبین: اے خیام ۔۔۔۔ زاہد رشید، نیا اُردو افسانہ ایک انتخاب، مرتبین: رام لال، اظہار عثمانی یا ۱۹۴۴ء کے منتخب افسانے، مرتب ریاض احمد چودھری وغیرہ۔

بعض انتخابات مختلف رسائل میں چھپنے والے افسانہ نگاروں کی تخلیقات کو سامنے لاتے ہیں۔ ایسے انتخابات رسالوں کے ناموں ہی سے شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً راوی افسانے، مرتبہ: پروفیسر صابر لودھی، یا ایوان اُردو کے منتخب افسانے، ترتیب: زبیر رضوی، محمود سعیدی۔ کسی مخصوص موضوع کو عنوان بنا کر صرف اُسی موضوع سے متعلق بھی اُردو افسانے میں انتخاب شائع ہو چکے ہیں مثلاً ''محبت کے افسانے'' ترتیب و انتخاب: آصف فرخی، ایسا ہی انتخاب ہے جس میں صرف محبت کے موضوع پر لکھی گئی کہانیاں ہی شامل کی گئی ہیں۔ ''نسوانی آوازیں'' مرزا حامد بیگ کا منتخب کردہ اپنی نوعیت کا اہم انتخاب ہے جس میں صرف خواتین کے افسانوں کو شامل کیا گیا ہے۔ اس انتخاب میں چوبیس خواتین افسانہ نگاروں کو جگہ ملی ہے۔

بعض انتخابات نصابی ضرورتوں کے پیشِ نظر شائع کیے جاتے ہیں مثلاً ڈاکٹر سلیم اختر کا انتخاب ''چھ افسانے مع فرہنگ'' اس حوالے سے قابل ذکر ہے۔ اس انتخاب میں شامل چھ افسانے لندن یونیورسٹی کے اے لیول کے طلبہ کے اُردو زبان کے نصاب میں شامل ہیں۔

تجارتی مقاصد کو مدِنظر رکھ کر شائع ہونے والے انتخابات شائع کرنے کے پیچھے کسی نہ کسی حد تک تجارتی مقصد کارفرما ہوتا ہے مگر یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ کوئی انتخاب تجارتی مقاصد پورا کرنے کے ساتھ ساتھ بیک وقت معیاری بھی ہو۔ اس حوالے سے مطبوعات شیخ غلام علی اینڈ سنز والوں کی طرف سے شائع کردہ انتخاب'' سات ادیب، سات افسانے'' اپنی نوعیت کا اہم انتخاب ہے۔

اُردو افسانے میں انتخابات کی ایک شکل ایسی بھی ملتی ہے کہ بعض مرتبین نے نہ صرف افسانوں کا انتخاب کیا ہے بلکہ افسانوں پر تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے ''اُردو افسانہ ______ تجزیہ'' کے عنوان سے پروفیسر حامدی کاشمیری کا انتخاب اہم اور منفرد انتخاب ہے۔ حامدی کاشمیری اس انتخاب میں شامل افسانوں کی اہمیت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> ''میں نے دوران مطالعہ اس افسانے کا انتخاب کیا ہے جو میرے نزدیک حتی الامکان فن کے تخلیقی تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ اپنے مطالعے کی بنا پر ضمناً مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ہمارے افسانہ نگاروں کے بیشتر افسانے فنی اعتبار سے کمزور ہیں اور ایسے افسانوں کی تعداد کم ہے جو تخلیقی تکمیلیت سے بہرہ مند ہیں۔'' (۷)

عام قاری اور کہانی کے درمیان جو فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے اس فاصلے کو کم کرنے کی کوشش امجد اسلام امجد نے ''یہ افسانے'' کے عنوان سے انتخاب شائع کر کے کی۔ اس انتخاب میں بھی کہانی کے صرف انتخاب ہی پر اکتفا

نہیں کیا گیا بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہانی کا آسان مختصر اور جامع الفاظ میں تجزیہ کر کے قاری کے لیے کہانی کی تفہیم کے حوالے سے سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح ''اُردو کے ۱۲۵ افسانے'' ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر کے انتخاب میں افسانوں کو منتخب کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

مذکورہ اقسام کو مدنظر رکھ کر اُردو افسانے کے انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو افسانے کے انتخابات میں یکسانیت کے برعکس تنوع پایا جاتا ہے۔ انتخاب کرنے والوں نے ایک ہی ڈگر پر چل کر افسانوں کا انتخاب نہیں کیا بلکہ ایک سے زیادہ زاویوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُردو افسانے کے انتخابات کیے۔ مثلاً کوئی مرتب اپنے لیے کسی ایک افسانہ نگار کو چنتا ہے تو کوئی ایک سے زیادہ کو۔ کوئی معاصر ادب کی جھلکیاں دکھانے کی کوشش کرتا ہے تو کوئی کسی ایک مخصوص عہد کی۔ کوئی نئے اُردو افسانے کا منظر نامہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کوئی نسوانی آوازوں کو قارئین تک پہنچانے کے جتن کرتا ہے۔ کوئی محبت کے موضوع پر لکھی گئی کہانیاں یکجا کرتا ہے تو کوئی ان کہانیوں کو ایک ایسے ہار میں پروتا ہے جن میں کرداروں کے لاشعوری ہیجانات نمایاں ہو سکیں۔ اگلا سوال یہ ہے کہ انتخابات کیوں ہوتے تھے اور کیوں ہوتے چلے آ رہے ہیں؟ اور اُردو افسانے میں کس قسم کے انتخابات نے زیادہ رواج پایا؟

اُردو افسانے میں انتخابات کی سب سے زیادہ رواج پانے والی قسم وہ ہے جس میں ایک انتخاب میں ایک سے زیادہ افسانہ نگاروں کا ایک ایک افسانہ شامل کر دیا جاتا ہے۔ یہ انتخابات عام طور پر ادب کے عام قارئین کے لیے ہوتے ہیں۔ ایسے قارئین جن کے پاس مطالعہ کے لیے وقت تو کم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ادب کا تھوڑا بہت ذوق رکھنے کی وجہ سے کبھی کبھار وہ کتاب اٹھا لیتے ہیں جسے پڑھ کر وہ اپنے فارغ اوقات میں لطف اندوز ہو سکیں۔ انھیں ایک افسانہ نگار کے تمام افسانے پڑھنے کے بجائے ایک سے زیادہ افسانہ نگاروں کے منتخب افسانے جب ایک ہی کتاب میں مل جاتے ہیں تو ان کا نہ صرف ایک اچھی کہانی پڑھنے کا، بلکہ ایک ہی کتاب میں ایک سے بڑھ کر ایک اچھی کہانیاں پڑھنے کا شوق پورا ہو جاتا ہے۔ ایسے انتخابات شائع ہونے کی صورت میں عام قارئین کا کتب بینی کا شوق بھی پورا ہو جاتا ہے، پبلشر کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے اور اگر وہ انتخاب کسی پبلشر کے بجائے کسی مرتب نے ترتیب دیا ہو جو کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو اس کے حصے میں بھی مزید ایک کتاب کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اُردو افسانے کی ابتدا سے لے کر موجودہ عہد تک انتخابات کے شائع ہونے کا جو سلسلہ جاری و ساری ہے اس کے پیچھے عام طور پر ایک تو پبلشر کے تجارتی مقاصد ہوتے ہیں جبکہ دوسری وجہ کسی مرتب کا تھوڑی سی محنت اور دلچسپی کے نتیجے میں ایک نئی کتاب کا مرتب کہلا کر شہرت حاصل کرنا ہے۔ اور آخری اہم وجہ تو ان قارئین کی دلچسپی اور ذوق ہے جو کم وقت میں زیادہ اچھی کہانیاں پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں۔

مذکورہ بحث کو مدِنظر رکھ کر انتخابات کی ادبی افادیت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انتخابات کی ادبی اہمیت دیگر تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی کاوشوں کے مدمقابل محدود ہے لیکن انتخابات کی جس قدر بھی ادبی افادیت بچتی ہے اُس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

درحقیقت انتخابات کی قدر و قیمت کا انحصار اس بات پر ہے کہ انتخاب کرنے والا ہے کون؟ یعنی افسانے کا عام قاری ہے یا پھر ایسا نقاد جس کی نظر نہ صرف پورے اُردو افسانے پر ہو بلکہ اس نے عالمی افسانے کا بھی بھرپور مطالعہ کر رکھا ہو۔

اگر کوئی افسانے کا بڑا پارکھ انتخاب کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ نہ صرف انتخابات کی اہمیت کو بڑھاتا ہے بلکہ عام و خاص قارئین پر احسان کرتا ہے۔ ایک معیاری انتخاب کرنے کے لیے جہاں کسی ادیب کا وسیع المطالعہ ہونا ناگزیر ہے وہاں اس سے بھی اہم اور کٹھن مرحلہ غیر جانبداری کا ہے۔ اُردو افسانے کے انتخابات کرتے ہوئے انتخاب کرنے والے کس حد تک جانبداری کا شکار ہوئے ہیں اس حوالے سے مرزا حامد بیگ یوں رقم طراز ہیں:

> ''اب تک شائع شدہ اُردو افسانوں کی اکثر انتھالوجیز ایک سرسری نظر ڈالنے پر ہی اس بات کا ثبوت فراہم کر دیتی ہیں کہ مرتبین، افسانہ نگاروں کا چناؤ کرتے وقت اپنی مخصوص گروہ بندیوں، مخصوص نظریات اور افسانہ نگاروں سے قربت کے بوجھ کو نہ سہار سکے۔ مثلاً اردو افسانے کی اولین انتھالوجی ''انگارے'' مرتبہ احمد علی (مطبوعہ ۱۹۳۲ء) میں محمود الظفر کی شمولیت، انگریزی میں شائع ہونے والی ہندوستانی افسانوں کی اولین انتھالوجی "Indian short Stories" مرتبہ: ڈاکٹر ملک راج آنند (مطبوعہ ۱۹۴۶ء) میں عطیہ حبیب اللہ کی شمولیت، بشر ہندی کی مرتب کردہ انتھالوجی ''میرا پسندیدہ افسانہ'' میں دیوانہ مصطفیٰ آبادی شیلا سمیر کی شمولیت محض مخصوص نظریات اور گروہ بندی کا شاخسانہ ہے اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔''(۸)

جہاں اہم تخلیق کاروں کو نظر انداز کر کے ذاتی پسند کے پیشِ نظر غیر اہم تخلیق کاروں کو اہمیت دینا معیاری انتخابات کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے وہاں صرف معروف افسانہ نگاروں کے معروف افسانوں ہی کو مدنظر رکھ کر انتخابات شائع کرنا بھی معیاری انتخابات کے میدان میں کوئی بڑا کارنامہ نہیں بن پاتا۔ مثلاً چند سابقہ انتخابات کو سامنے رکھ کر ذرا سی ردوبدل کر کے ایک نیا انتخاب چھاپ دینا انتخابات کی اہمیت کو ادب کے سنجیدہ قارئین کے لیے تو کم کرتا ہی ہے، ساتھ ہی ایسے انتخابات عام قارئین کو بھی بعض اوقات اس لیے متاثر نہیں کر پاتے کیونکہ ایسے انتخابات میں شامل افسانے ان کی نظروں سے پہلے ہی گزر چکے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مرتب مذکورہ عمل کے برعکس کسی معروف یا غیر معروف افسانہ نگار کا کوئی بڑا افسانہ سامنے لے کر آتا ہے تو یہ یقیناً اس کا کمال ہوگا، بہ شرط کہ وہ اس سے قبل قارئین کی نظروں سے اوجھل ہو۔ یعنی کسی نئے افسانہ نگار کو دریافت کرنا یا کسی معروف افسانہ نگار کا پہلے ہی سے شائع شدہ وہ افسانہ دریافت کرنا، جو ہو تو عظیم فن پارہ، مگر اس پر وقت نے کچھ دھول جما دی ہو، اُس دھول کو فن پارے سے ہٹا کر اسے اس کے اصل منصب پہ پہنچانے کا عمل نہ صرف مرتب کا کمال ہوگا بلکہ یہ عمل بڑی حد تک ادب کے قارئین کے لیے انتخابات کی اہمیت کو بڑھانے والا عمل ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے اُردو افسانے کے انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو عام طور پر ایسے انتخابات کی تعداد کم ہی نظر آتی ہے۔ مگر پھر بھی یہ بات اپنی

جگہ پر اہمیت کی حامل ہے کہ اُردو افسانے میں بعض انتخابات ایسے ہیں جنھوں نے انتخابات کے اعتبار کو بڑھایا ہے۔ مثلاً ان انتخابات میں اطہر پرویز کا مرتبہ ''عہد ساز افسانے'' اُردو افسانے کا ایک معتبر انتخاب ہے۔ اس انتخاب کی مقبولیت اور معیار کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اکیسویں صدی کے آغاز میں بیسویں صدی کے معیاری افسانے پر نظر ڈالی گئی تو ہندوستان اور پاکستان میں دو ادبی رسائل کے ذریعے عوامی سطح پر دو سروے کرائے گئے۔

ہندوستان میں افسانے کے حوالے سے یہ سروے زبیر رضوی نے اپنے رسالہ ''ذہن جدید'' میں جبکہ پاکستان میں یہ سروے شاہد شیدائی نے اپنے رسالہ ''کاغذی پیرہن'' میں کرایا۔

بقول انور سدید:

> ''ایک صدی کے وسیع تناظر میں اُردو ادب میں پہلی مرتبہ عوامی سطح پر دو ''سروے'' ہندوستان اور پاکستان کے دو ادبی رسائل نے کرائے، ہندوستان میں یہ سروے زبیر رضوی نے اپنے رسالہ ''ذہن جدید'' میں اور پاکستان میں شاہد شیدائی نے ایک بالکل نئے ادبی رسالہ ''کاغذی پیرہن'' میں کرایا لیکن ان دونوں رسائل کے سروے کا تناظر مختلف تھا۔'' (۹)

ہندوستان کے سروے میں ۱۔منشی پریم چند، ۲۔غلام عباس، ۳۔سعادت حسن منٹو، ۴۔اشفاق احمد، ۵۔راجندر سنگھ بیدی، ۶۔عصمت چغتائی، ۷۔قرۃ العین حیدر اور ۸۔انتظار حسین کے افسانوں کو منتخب کیا گیا۔ مذکورہ آٹھ ناموں میں منٹو اور راجندر سنگھ بیدی کے ایک کے بجائے دو دو افسانوں کو منتخب کیا گیا۔ جبکہ پاکستان میں جن دس افسانہ نگاروں کو منتخب کیا گیا ان میں ۱۔سعادت حسن منٹو، ۲۔راجندر سنگھ بیدی، ۳۔احمد ندیم قاسمی، ۴۔محمد منشا یاد، ۵۔کرشن چندر، ۶۔اشفاق احمد، ۷۔غلام عباس، ۸۔ممتاز مفتی، ۹۔غلام الثقلین نقوی، اور ۱۰۔انتظار حسین کا نام شامل ہے۔ مذکورہ سروے کو مدنظر رکھ کر اطہر پرویز کے انتخاب پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جن تیرہ افسانہ نگاروں کو منتخب کیا ہے اُن میں ہندوستان میں مقبول ہونے والے آٹھ کے آٹھ افسانہ نگار شامل ہیں بلکہ قریب قریب اکیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں ہونے والے سروے کے نتیجے میں جو افسانے منتخب کیے گئے وہی افسانے اطہر پرویز نے بھی سن ۱۹۷۶ء میں منتخب کیے تھے۔ مثلاً مذکورہ فہرست کو مدنظر رکھ کر اطہر پرویز کے انتخاب میں شامل افسانوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ درج ذیل ہیں:

۱۔پریم چند (کفن) ۲۔غلام عباس (آنندی) ۳۔سعادت حسن منٹو (ٹوبہ ٹیک سنگھ) ۴۔اشفاق احمد (گڈریا) ۵۔راجندر سنگھ بیدی (اپنے دُکھ مجھے دے دو، ۶۔عصمت چغتائی (چوتھی کا جوڑا) ۷۔قرۃ العین حیدر (ہاؤسنگ سوسائٹی) ۸۔انتظار حسین (زرد کتا)۔

ہندوستان کے سروے کے مطابق جن آٹھ افسانہ نگاروں کے افسانوں کو شامل کیا گیا۔ اس انتخاب میں

نہ صرف وہ آٹھ کے آٹھ افسانہ نگار شامل ہیں بلکہ ماسوائے دو افسانوں کے وہی افسانے بھی اس انتخاب کا حصہ بنے۔

اسی طرح پاکستانی سروے کے نتیجے میں جو نام سامنے آتے ہیں ان میں سے کرشن چندر، ممتاز مفتی، احمد ندیم قاسمی، منشایاد اور غلام الثقلین نقوی کے نام ایسے نام ہیں جو ہندوستانی سروے میں تو شامل نہیں تھے جبکہ پاکستان میں ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ اطہر پرویز کے انتخاب میں مذکورہ پانچ ناموں میں سے تین نام کرشن چندر (مہالکشمی کا پل)۔ ممتاز مفتی (آپا) اور احمد ندیم قاسمی کا (رئیس خانہ) شامل ہیں۔ یعنی اطہر پرویز نے جن تیرہ افسانہ نگاروں کو منتخب کیا ہے اُن میں سے گیارہ افسانہ نگار وہ ہیں جو اکیسویں صدی کے آغاز میں ہونے والے ہندوستانی اور پاکستانی سروے کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں۔ یعنی ۱۹۷۶ء میں ہونے والا یہ انتخاب بغیر کسی سروے کے ان تمام افسانہ نگاروں کو اپنے اندر جگہ دیتے ہوئے دکھائی دیتا ہے جنھیں آنے والے کل نے بھی اپنا ہم داستاں بنایا ہے۔

اُردو کے معیاری انتخابات میں ڈاکٹر مرزا حامد بیگ کا انتخاب: ''پاکستان کے شاہکار اُردو افسانے'' بھی اہم انتخاب ہے جس میں پاکستان کے افسانہ نگاروں ہی کو شامل کیا گیا ہے۔

مرزا حامد بیگ ہی کا ''نسوانی آوازیں'' کے عنوان سے شائع ہونے والا انتخاب ۲۴ خواتین افسانہ نگاروں کی تخلیقات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ انتخاب بھی اپنی نوعیت کا منفرد انتخاب ہے۔ اسی طرز کا ایک انتخاب ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی ''صنف نازک کی کہانیاں'' کے عنوان سے شائع کیا، جس میں تیس خواتین افسانہ نگاروں کو جگہ دی گئی۔

گوپی چند نارنگ، ارتضیٰ کریم اور اسلم جمشید پوری کا ''آزادی کے بعد اُردو افسانہ'' کے عنوان سے شائع ہونے والا انتخاب ہندوستانی افسانہ نگاروں کی اہم کہانیوں کو سامنے لانے والا عمدہ انتخاب ہے۔ اس انتخاب میں ایک بھی پاکستانی افسانہ نگار شامل نہیں ہے پروفیسر حامدی کاشمیری کا اُردو افسانہ ____ تجزیہ'' کے عنوان سے شائع ہونے والا انتخاب بھی معیاری انتخاب ہے جس میں ہندوستانی اور پاکستانی دونوں افسانہ نگاروں کو جگہ ملی ہے۔

آصف فرخی کا ''محبت کے افسانے'' کے عنوان سے شائع ہونے والا انتخاب اپنے عنوان کی اہمیت کے پیش نظر بھی منفرد انتخاب ہے اور اس میں جن افسانہ نگاروں کی جو تخلیقات شامل کی گئی ہیں وہ بھی محبت کے موضوع پر لکھی جانے والی عمدہ کہانیاں ہیں۔

محمد حسن عسکری کا مرتبہ ''میرا بہترین افسانہ'' وہ انتخاب ہے جو ۱۹۴۳ء یعنی جنگ کے زمانے میں شائع ہونے والا انتخاب ہے۔ اس انتخاب کے دیباچے میں محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

> ''اس مجموعے کی قدر و قیمت بلکہ چند سال بعد اس کے پڑھے جانے کا امکان تک اس پر منحصر ہے
> کہ جنگ ہماری دنیا کے ساتھ کیا کرتی ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ ہر موجودہ چیز کو ایک غیر یقینی اور بے

شکل مستقبل کی روشنی میں دیکھیں۔''(۱۰)

مگر اسی دیباچے کے آخر پر وہ لکھتے ہیں:

''میرا اعلان نامہ Gauguin کے الفاظ میں حاضر ہے:'' آرٹ تفریح کی خاطر؟ کیوں نہیں؟ آرٹ زندگی کی خاطر؟ کیوں نہیں؟ آرٹ آرٹ کی خاطر کیوں نہیں؟ جب تک وہ آرٹ ہے اس سب سے کیا ہوتا ہے۔'' چنانچہ اس مجموعے کے افسانوں کو بھی آپ اسی نظر سے جانچیے۔''(۱۱)

مذکورہ اقتباسات کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتخاب جنگ کے زمانے میں شائع ہونے کے باوجود بھی آرٹ کو تفریح کی خاطر، زندگی کی خاطر اور آرٹ کی خاطر وقف کرتا ہوا نظر آتا ہے، یہی بات اس انتخاب کی خاص بات ہے، اس انتخاب میں

افسانہ نگاروں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شامل ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ ان کی اپنی ہی زبانی بیان کیے گئے ہیں۔

انتظار حسین اور آصف فرخی کا انتخاب ''پاکستانی کہانیاں (پاکستانی افسانے کے پچاس سال) ایک ایسا انتخاب ہے جسے قومی کہانیوں کا انتخاب بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں اُردو کہانیوں کے علاوہ سندھی، پنجابی، سرائیکی، پشتو اور بلوچی کہانیاں بھی شامل کی گئی ہیں۔ محمد حسن عسکری کے مذکورہ انتخاب کی طرح اس انتخاب کو بھی ادبی معیارات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شائع کیا گیا ہے۔ مثلاً انتظار حسین اس انتخاب کے دیباچے میں اسی حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

''کوشش یہ کی گئی ہے کہ ادبی معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سب رنگوں کو سمیٹا جائے جو ان پچاس برسوں میں پاکستانی افسانے میں پروان چڑھے ہیں اور یہ کہ اُردو افسانے کے ساتھ پاکستان کی دوسری زبانوں میں افسانے نے جو شکل نکالی ہے اسے بھی ملحوظ رکھا جائے۔''(۱۲)

اسی طرح ڈاکٹر آصف ریاض قدیر کا مرتبہ انتخاب ''میرے پسندیدہ افسانے'' ایسا انتخاب ہے جس میں احمد ندیم قاسمی کا افسانہ ''گنڈاسا'' اشفاق احمد کا ''گڈریا''، راجندر سنگھ بیدی کا ''لاجونتی'' اور سعادت حسن منٹو کا ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' وہ افسانے ہیں جن میں برصغیر کی تقسیم اور اس دور میں ہونے والے فسادات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گوکہ یہ انتخاب ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا مگر اس کے باوجود برصغیر کی علیحدگی کے موضوع پر لکھے گئے یہ افسانے اُس زمانے کی یادوں کو آج کے قارئین تک بھی منتقل کر رہے ہیں۔

شفیق مرزا اور عفیف طٰحہٰ کا مرتبہ انتخاب ''دھنک'' بھی اس حوالے سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں آج کے تنگ نظر اور فرقہ واریت پھیلانے والے مبلغین کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے، غلام عباس کا یہ افسانہ یوں تو کئی عشرے پہلے لکھا گیا ہے مگر یہ کافی دیر تک پاکستان میں شائع نہیں ہو سکا، مگر اب اس کا شائع ہونا موجودہ عہد کے لیے ایک نوید ہے، تاکہ ریاکار مذہبی انسانوں کی صورتحال سے دنیا واقف رہے اور ان کی حقیقت کو سمجھنے میں دھوکا نہ کھائے۔ افسانہ

دھنک سے متعلق شفیق مرزا اس انتخاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''یہ ہمارے آج ہی کی تصویر ہے اور امر واقع یہ ہے کہ غلام عباس نے جس تیکھے انداز میں اس افسانے میں ہمارے جسدِ معاشرت کی ڈائی سیکشن کی ہے وہ انھی معاملات کے گُردوں اور ہڈیوں تک پہنچ جانے والا زہر میں بجھا ہوا قلم کر سکتا تھا جس کا آج تک کوئی بدل پیدا نہیں ہو سکا۔''(۱۳)

مذکورہ اقتباس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس انتخاب کا عنوان ''دھنک'' ہونا اور پھر اس انتخاب میں اس افسانے کو مرکزی حیثیت ملنا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ انتخاب موجودہ زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر شائع کیا گیا ہے۔

گو کہ بہت سے انتخابات عام طور پر تجارتی مقصد کے پیش نظر ترتیب دیے جاتے ہیں مگر ایسے انتخابات بھی اُردو میں موجود ہیں جن میں شامل افسانے تو پبلشرز کی طرف سے منتخب کیے گئے مگر اس کے باوجود وہ عمدہ انتخاب ہیں۔ مثلاً انھی میں سے ایک انتخاب ''سات ادیب، سات افسانے'' کے عنوان سے ملتا ہے جسے مطبوعات شیخ غلام علی نے شائع کیا۔

مذکورہ انتخابات کے حوالے سے یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ انتخابات آخر کس بنیاد پر اُردو کے معیاری انتخابات ہیں؟ اس کی دو وجوہات قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے مرتبین کی نہ صرف اُردو افسانے پر گہری نظر ہے بلکہ انھوں نے عالمی افسانے کا مطالعہ بھی کر رکھا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان مرتبین نے صرف انھی افسانوں کو اپنے انتخابات میں جگہ نہیں دی، جنھیں عام طور پر ہر انتخاب میں جگہ مل جاتی ہے اور جن افسانوں کو اُردو افسانے کے قارئین پہلے ہی کئی انتخابات میں پڑھ چکے ہوتے ہیں بلکہ انھوں نے اپنے انتخابات میں ان افسانوں کو بھی دریافت کر کے شامل کیا، جو اپنی اہمیت کے پیش نظر عمدہ تو بہت تھے مگر عام قارئین کی اُن تک رسائی نہیں ہو پائی تھی، یعنی مقبول افسانوں کو منتخب کرنے کے بجائے غیر مقبول مگر اہم افسانوں کو دریافت کرنے کا عمل مندرجہ بالا انتخابات کو معیاری انتخابات کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔

خالصتاً تجارتی مقاصد کے پیش نظر ہونے والے انتخابات کی تعداد زیادہ ہے۔ عام طور پر ایسے انتخابات ایک ہی مرتب عنوان بدل بدل کر دو تین افسانے بدل کر اور ایک آدھ صفحے کا دیباچہ لکھ کر شائع کر دیتا ہے۔ اس حوالے سے کئی نام ہیں۔ مثلاً شہزاد حسین نے ۱۹۹۲ء میں ''افسانے'' کے عنوان سے ایک انتخاب شائع کیا تو اسی سال میں ''منتخب افسانے'' کے عنوان سے پھر ایک انتخاب شائع کر دیا۔ اسی طرح انھوں نے ''افسانے ہی افسانے'' کے عنوان سے ایک انتخاب شائع کیا جن کا مقصد محض تجارتی ہی معلوم ہوتا ہے۔ معیاری و غیر معیاری انتخابات کے علاوہ ایسے انتخابات کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن انتخابات نے کسی نہ کسی صورت اپنے زمانے پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی ہے، ایسے ہی انتخابات میں سے ایک انتخاب ''انگارے'' ہے جسے ۱۹۳۲ء میں سجاد ظہیر نے مرتب کیا۔ یہ انتخاب ادب کے عام قارئین کی توقعات کو مدنظر رکھ کر نہیں شائع کیا گیا، بلکہ اس انتخاب میں شامل کہانیاں اپنے

زمانے کی تہذیبی اور سماجی اقدار سے بغاوت کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں، اس انتخاب میں شامل افسانہ نگاروں میں سجاد ظہیر، رشید جہاں، احمد علی اور محمود الظفر کی کہانیاں سماجی رجعت پسندی اور دقیانوسیت کے خلاف علم بغاوت بلند کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''انگارے'' اپنی اشاعت کے بعد جلد ہی ۱۹۳۳ء میں ضبط ہو گیا۔ انتخابات ہی کے حوالے سے یہ سوال بھی اپنی جگہ پر اہم ہے کہ انتخابات عام طور پر کس قسم کے قارئین کے لیے ہوتے ہیں؟

شعری ذوق کا معاملہ ہو یا افسانوی و غیر افسانوی نثر کا مطالعہ ہو، ادب کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کرنے والے قارئین، عام طور پر اپنے ذوق کی آبیاری کے لیے انتخابات پر انحصار نہیں کرتے بلکہ شاعری یا فکشن کی کتب کا تفصیلی طور پر یا کلی سطح پر مطالعہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور بالعموم ایسے قارئین ہی شاعری یا افسانے کا بہترین انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جنھوں نے ادب کا مختصراً مطالعہ کرنے کے بجائے جامع مطالعہ کیا ہو، اس لیے مذکورہ بیان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ انتخابات عام طور پر ادب کے اُن قارئین کے لیے ہوتے ہیں جو پاپولر لٹریچر پڑھنے کے شائق ہوتے ہیں۔ ادب جن کا جز وقتی مشغلہ ہوتا ہے۔ جنھوں نے ادب کا مطالعہ صرف عارضی لطف کے لیے کرنا ہوتا ہے۔ ایسے قارئین کسی بھی فن پارے کے مطالعے کے بعد اس پر تنقید کرنے کے عمل سے اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان سے تاثراتی تنقید کی توقع کی جا سکتی ہے وہ بھی فقط زبانی کلامی۔

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ انتخابات عام طور پر ادب کے عام قارئین کے لیے ہوتے ہیں مگر یہ کوئی حتمی رائے نہیں ہے۔ انتخابات سے ادب کے وہ قارئین بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں جو ادب کا مستقل بنیادوں پر مطالعہ کرتے ہیں اور جن کا مقصد ادب سے لطف اندوزی کے عمل سے ایک قدم آگے بڑھ کر بصیرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ بڑی حد تک انتخاب کی نوعیت پر منحصر کرتا ہے کہ انتخاب کس معیار کا ہے۔

جہاں بات انتخابات کے قارئین کی ہوئی ہے وہاں انتخابات کے پیش نظر ان ادیبوں کی شہرت سے متعلق بھی بات ہو جانی چاہیے جو انتخابات کے شائع ہونے کا بنیادی ذریعہ بنتے ہیں۔ یعنی ایک سوال تو ہے کہ کیا انتخابات کے ذریعے کسی ادیب کی اہمیت اور شہرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ اُردو افسانے کے انتخابات میں کن کن افسانہ نگاروں کو زیادہ جگہ ملی ہے؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ انتخابات کے ذریعے کسی ادیب کی اہمیت اور شہرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ تو اس حوالے سے ادیب کی شہرت کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر ہے کہ اُس کو منتخب کرنے والا مرتب کون ہے؟ اگر تو کسی افسانہ نگار کو ادب اور خاص طور پر افسانے کے متعلق گہرا تنقیدی شعور رکھنے والا مرتب منتخب کرتا ہے تو لازمی طور پر اُس مرتب کے علمی و ادبی مقام و مرتبے کا منتخب ہونے والے افسانہ نگار کی شہرت پر اثر پڑے گا لیکن یاد رہے کہ اصل میں مرتب سے بھی زیادہ اہمیت فنکار کے اپنے فن کی ہوتی ہے جو اُس کی مقبولیت کا سبب بنتا ہے۔

انتخابات کے ذریعے کسی بھی ادیب کی مقبولیت کا فیصلہ کرنے میں وہ قارئین اور بالخصوص نقاد بھی حصہ لیتے ہیں جو انتخابات کا مطالعہ کرتے ہیں۔یعنی اگر انتخابات کا مطالعہ ناقدین اوراعلیٰ تنقیدی شعور رکھنے والے قارئین کریں اور اس حوالے سے اپنی پسند اور ناپسند کے بارے میں قارئین کو آگاہ کریں تو اُن ناقدین کا محاکمہ بڑی حد تک کسی ادیب کی مقبولیت کو گھٹا بڑھا سکتا ہے۔یعنی انتخابات کے ذریعے ادیب کی شہرت کا فیصلہ جہاں پر اُس کا اپنا فن کرتا ہے وہاں پر اگر اسے اس صنف سے متعلق تنقیدی شعور رکھنے والے مرتب، قارئین اور ناقدین میسر آ جائیں تو اس کے فن کے منصب کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بیانات کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو افسانے کے ناقدین نے اُردو افسانے کے انتخابات اور ان انتخابات کے نتیجے میں کسی ادیب کو ملنے والی شہرت کو کم ہی جاننے کی کوشش کی ہے البتہ چند استثنائی مثالیں ہیں۔ایک مثال کا ذکر راقم اسی مضمون کے شروع میں ڈاکٹر انور سدید کے مضمون ہندوستانی اور پاکستانی رسائل کے ذریعے ہونے والے سروے کے حوالے سے کر چکا ہے۔یعنی ناقدین کا انتخابات پڑھنے اور منتخب کرنے کی طرف کم دھیان دینے والا معاملہ منتخب ہونے والے افسانہ نگاروں کی شہرت کو کسی حد تک گھٹانے والا عمل ہے مگر ناقدین کی بے اعتنائی کے باوجود بھی افسانہ نگار کا کسی انتخاب کا حصہ بننا اُس کی شہرت میں اضافے کا سبب بنتا ہے یا اس کی اہمیت کو بڑھاتا ہی ہے۔

اگر ایک ہی افسانہ نگار کو ایک سے زیادہ مرتبین نے منتخب کیا ہو تو اس بات سے تو بڑی حد تک اس افسانہ نگار کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اسی حوالے سے سوال یہ ہے کہ اُردو افسانے میں ایسے کون سے افسانہ نگار ہیں جنھیں زیادہ انتخابات میں جگہ ملی ہے؟ یوں تو اُردو افسانے میں اب تک کئی انتخابات شائع ہو چکے ہیں مگر راقم نے جن انتخابات تک رسائی حاصل کی ہے اُن کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ شمع شبستان، جہانگیر بک کلب چابکسواراں، لاہور، ۱۹۲۵ء

۲۔ انگارے، مرتبہ احمد علی، نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنو، ۱۹۳۲ء

۳۔ کامیاب افسانے، مرتبہ، وزارت انصاری، صدیق بک ڈپو لکھنو، ۱۹۳۳ء

۴۔ سات تارے، مرتبہ، سید وصی اشرف دہلوی، سول ایجنٹ صدیق بک ڈپو لکھنو، ۱۹۳۹ء

۵۔ معیاری افسانے، منتخبہ، ابوالاثر حفیظ جالندھری، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء

۶۔ یہ افسانے، انتخاب، امجد اسلام امجد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

۷۔ عہد ساز افسانے، مرتبہ، اطہر پرویز، ترقی اُردو بیورو نئی دہلی، س ن

۸۔ پاکستانی کہانیاں، انتخاب، انتظار حسین، آصف فرخی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء

۹۔ محبت کے افسانے، ترتیب وانتخاب، آصف فرخی، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۹۱ء

۱۰۔ برصغیر کے نامور افسانہ نگاروں کے منتخب افسانے، دھنک، مرتب، شفیق مرزا، عفیف طٰحہ، دارالعلم پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء
۱۱۔ اُردو افسانہ۔ تجزیہ، حامدی کاشمیری، پروفیسر، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۲۰۰۶ء
۱۲۔ چھ افسانے، مرتبہ، سلیم اختر، ڈاکٹر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء
۱۳۔ نئے افسانے، مقدمہ انتخاب، انیس ناگی، جمالیات، لاہور، س ن
۱۴۔ ہم عصر اُردو افسانہ، مرتبین، اے خیام، زاہد رشید، ظفر اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۴ء
۱۵۔ منتخب افسانے، مرتبہ شہزاد حسین، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۲ء
۱۶۔ اُردو افسانے، مرتبہ، رضیہ سجاد ظہیر، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی، ۱۹۷۴ء
۱۷۔ آزادی کے بعد دہلی میں اُردو افسانہ، مرتبہ، قمر رئیس، پروفیسر، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۰ء
۱۸۔ اُردو افسانے کی روایت، مرزا حامد بیگ، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۱۹۱۴ء
۱۹۔ افسانے کے پانچ رنگ، مرزا حامد بیگ، اورینٹ پبلشرز، لاہور، س ن
۲۰۔ بیسویں صدی کے بہترین افسانے، نسوانی آوازیں، مرزا حامد بیگ، سارنگ پبلی کیشنز، لاہور، س ن
۲۱۔ اُردو کے شاہکار افسانے، مرتبہ: مرزا حامد بیگ، مطبوعہ: الحمرا پبلشنگ۔ اسلام آباد، ۲۰۰۰ء
۲۲۔ میرا بہترین افسانہ، مرتبہ، محمد حسن عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء
۲۳۔ آزادی کے بعد اُردو افسانہ، ایک انتخاب، گوپی چند نارنگ، ارتضیٰ کریم، اسلم جمشید پوری، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء
۲۴۔ ناقابل فراموش افسانے، مرتبہ ناصر زیدی، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، س ن
۲۵۔ سات ادیب، سات افسانے، مطبوعات شیخ غلام علی، لاہور، س ن
۲۶۔ اُردو کے مشہور افسانے، ادارہ کتاب گھر۔ لاہور، س ن
۲۷۔ جگمگاتے افسانے، ترتیب و انتخاب، منصور بخاری، گوشہ ادب، کوئٹہ، س ن
۲۸۔ اُردو کے بہترین افسانے، مرتب، آصف حسن، شمع بک ایجنسی، کراچی، س ن۔
۲۹۔ میرے پسندیدہ افسانے، مرتب، آصف ریاض قدیر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء
۳۰۔ الحمرا بہترین افسانے ۲۰۰۰ء، انتخاب، آصف فرخی، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد، ۲۰۰۱ء
۳۱۔ ۱۹۶۲ء کے منتخب افسانے، انتخاب و مقدمہ، احراز نقوی، میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۵ء
۳۲۔ اُردو کے ۱۲۵ افسانے، مرتب اورنگزیب عالمگیر، القمر انٹرپرائزز، لاہور، ۲۰۱۰ء
۳۳۔ میرا پسندیدہ افسانہ، مرتبہ، بشیر ہندی۔ اُردو محل۔ لاہور، س ن
۳۴۔ نیا اُردو افسانہ ایک انتخاب، مرتبین، رام لال، اظہار عثمانی، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا۔ ۱۹۹۵ء

۳۵۔ ۱۹۶۶ء کے منتخب افسانے، مرتب، ریاض احمد چودھری، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، س ن
۳۶۔ ایوانِ اُردو کے منتخب افسانے، ترتیب، زبیر رضوی۔ مخمور سعیدی۔ اُردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۵ء
۳۷۔ اُردو کے شاہکار افسانے۔ مرتب۔ خالد شریف۔
۳۸۔ راوی افسانے، مرتبہ۔ صابر لودھی۔ پروفیسر، یونیورسل بکس، لاہور۔ ۱۹۸۹ء
۳۹۔ اُردو کے لازوال افسانے، مرتب، صدیق شاہد، پروفیسر، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء
۴۰۔ نئے افسانے، ظفر کانپوری۔ کتاب منزل کشمیری بازار، لاہور، س ن
۴۱۔ منتخب افسانے، ۸۰۔۱۹۷۹ء مرتبین۔ فتح محمد ملک۔ محمد منشا یاد، مطبوعات حرمت، راولپنڈی، ۱۹۸۱ء
۴۲۔ بیسویں صدی کے منتخب افسانے، مرتب، سید معراج نیر،
۴۳۔ اُردو افسانہ اور افسانہ نگار، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، س ن
۴۴۔ ۲۰۱۱ء کے بہترین افسانوں کا انتخاب، ترتیب و انتخاب، محمد عاصم بٹ، تخلیقات، لاہور، س ن
۴۵۔ منتخب افسانے۔ ۸۵۔۱۹۸۴ء، مرتب، نندکشور وکرم، پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزر جے، دہلی۔ ۱۹۸۶ء
۴۶۔ ۱۹۶۲ء کے بہترین افسانے، مکتبہ جدید، لاہور۔
۴۷۔ ۱۹۶۸ء کے منتخب افسانے، مرتبہ، ناصر زیدی۔ مکتبہ لائبریری۔ لاہور، ۱۹۶۹ء
۴۸۔ لاجواب افسانے، ترتیب و انتخاب، منصور بخاری، سیلز اینڈ سروسز، کوئٹہ، ۲۰۱۵ء
۴۹۔ لافانی افسانے، ترتیب و انتخاب، منصور بخاری، سیلز اینڈ سروسز، کوئٹہ، ۲۰۱۳ء
۵۰۔ شہرت یافتہ افسانے، ترتیب و انتخاب، منصور بخاری، سیلز اینڈ سروسز، کوئٹہ، س ن
۵۱۔ یادگار افسانے، مرتبہ، کرشن چندر، محمود پبلی کیشنز، لاہور، س ن
۵۲۔ پریم چند صدی کے افسانے، مرتبہ: اتر پردیش اکیڈمی، مطبوعہ، اتر پردیش اکیڈمی لکھنو: ۱۹۸۲ء
۵۳۔ افسانے، مرتبہ، شہزاد حسین، نذیر سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۲ء
۵۴۔ برصغیر پاک و ہند کے منتخب افسانے، مرتب، سید فرید حسین، فرید پبلشرز، کراچی، ۲۰۱۳ء
۵۵۔ بہترین نئی کہانیاں، مرتبہ: اعجاز راہی و احمد داؤد، دستاویز پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۱۹۸۰ء
۵۶۔ بےمثال افسانے، مرتب، روحی کنجاہی، شعاعِ ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء
۵۷۔ صنفِ نازک کی کہانیاں، مرتبہ: ڈاکٹر طاہر تونسوی، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء

مذکورہ انتخابات کو مدنظر رکھ کر اگر اس بات کی تحقیق کی جائے کہ کن افسانہ نگاروں کو ان میں زیادہ جگہ ملی ہے تو اس کی فہرست درج ذیل ہے مگر یاد رہے کہ مذکورہ فہرست اُردو افسانے کے انتخاب کی نامکمل فہرست ہے۔ مگر پھر بھی یہ اس قدر مختصر نہیں ہے کہ اس کو مدنظر رکھ کر اس سوال کا جواب نہ دیا جا سکتا ہو کہ اُردو افسانے کے انتخابات میں کن افسانہ نگاروں کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ انتخابات کے مقبول افسانہ نگاروں میں راجندر سنگھ بیدی، کرشن

چندر، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو، پریم چند، انتظار حسین، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، اشفاق احمد، ممتاز مفتی، بلونت سنگھ اور منشا یاد کے نام قابل ذکر ہیں۔

اُردو افسانے کے انتخابات میں مذکورہ افسانہ نگاروں کے جن افسانوں کو زیادہ منتخب کیا گیا ہے ان میں راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں ''لاجونتی''، ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' اور ''ببل'' شامل ہیں، کرشن چندر کے افسانوں میں ''کچرا بابا''،

''مہالکشمی کا پل'' اور ''کالو بھنگی'' قابل ذکر ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے ''ستاروں سے آگے''، ''فوٹو گرافر'' اور ''نظارہ درمیاں ہے''، کو مقبولیت ملی۔ عصمت چغتائی کے افسانے ''چوتھی کا جوڑا'' اور ''لحاف'' اہم ہیں۔ سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں ''ٹوبہ ٹیک سنگھ''، ''نیا قانون''، اور ''کالی شلوار'' شامل ہیں۔ پریم چند کے افسانہ ''کفن'' کو اُردو افسانے کے انتخابات میں اتنی بار جگہ ملی ہے کہ بیشتر مرتبین نے ان کے افسانہ ''کفن'' کے علاوہ کم ہی کسی اور افسانے کو منتخب کیا ہے۔

یعنی جب بھی کسی مرتب نے اپنے انتخاب میں پریم چند کے کسی ایک افسانے کو منتخب کرنے کے بارے سوچا تو وہ کفن کو کم سے کم ہی نظر انداز کر پایا۔

انتظار حسین کے انتخابات میں، مقبولیت حاصل کرنے والے افسانوں میں آخری آدمی سر فہرست ہے، اس کے علاوہ ہندوستان سے ایک خط اور خواب اور تقدیر بھی قابل ذکر افسانے ہیں۔

غلام عباس کے افسانوں میں ''آنندی'' زیادہ شہرت حاصل کرنے والا افسانہ ہے جبکہ اس کے علاوہ ''اس کی بیوی'' اور ''اوورکوٹ'' کو بھی چند انتخابات میں جگہ ملی۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ''گنڈاسا''، ''لارنس آف تھلیبیا''، اور ''بین'' زیادہ منتخب ہونے والے افسانے ہیں۔

پریم چند کے افسانہ ''کفن'' کی طرح اشفاق احمد کے بھی ایک ہی افسانہ ''گڈریا'' کو انتخابات میں بار بار منتخب کیا گیا۔

ممتاز مفتی کا انتخابات میں زیادہ منتخب کیا جانے والا افسانہ ''آپا'' اہمیت کا حامل ہے: بلونت سنگھ کا ''جگا'' اور منشا یاد کے افسانوں میں ''تماشا'' اور ''بوکا'' کو انتخابات میں زیادہ منتخب کیا گیا۔

مذکورہ افسانہ نگاروں کے افسانوں میں سے جس افسانے کو سب سے زیادہ انتخابات میں جگہ ملی وہ پریم چند کا ''کفن'' ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کفن ہی کو باقی افسانوں کے بجائے انتخابات میں زیادہ جگہ کیوں ملی؟ مختلف ناقدین نے افسانہ ''کفن'' پر تنقید لکھتے ہوئے اپنی اپنی نظر سے اس کی مقبولیت کے اسباب جاننے کی کوشش کی ہے۔ راقم کا مطمع نظر یہاں پر ان ناقدین کی تنقید کا محاکمہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس افسانے کی شہرت کے پیچھے ان وجوہات کو جاننے کی کوشش کرنا ہے جن وجوہات نے اس افسانے کو پون صدی

سے زیادہ گزر جانے کے بعد بھی لوگوں کے اذہان سے محو نہیں ہونے دیا۔اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس افسانے کی مقبولیت کے پیچھے اس کی اشاعت کا زمانہ (۱۹۳۵ء)،اس کا موضوع،موضوع کے بیانیے کے لیے صنفِ افسانہ کا قالب اور اس کو بیان کرنے والا راوی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔یہ افسانہ جہاں اپنے اسلوب،ہئیت اور تکنیک کے اعتبار سے عمدہ افسانہ ہے وہاں اس کا موضوع خاص طور پر اہمیت کا حامل ہے۔

افسانے کے موضوع پر بات کرنے سے قبل افسانے کے مرکزی کرداروں اور واقعہ کا مختصر ذکر درج ذیل ہے:

کہانی تین مرکزی کرداروں گھیسو (باپ) مادھو (بیٹا) اور بدھیا (مادھو کی بیوی) پر مشتمل ہے۔کہانی کا آغاز نہ صرف تینوں کرداروں کا تعارف کرواتا ہے بلکہ قارئین کو ان کرداروں سے متعلق مزید جاننے کے لیے متجسس کر دیتا ہے:

> ''جھونپڑے کے دروازے پر باپ اور بیٹا دونوں ایک بجھے ہوئے الاؤ کے سامنے خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور اندر بیٹے کی نوجوان بیوی بدھیا دردِزہ سے پچھاڑیں کھا رہی تھی اور رہ رہ کر اس کے منہ سے ایسی دل خراش صدا نکلتی تھی کہ دونوں کلیجہ تھام لیتے تھے۔'' (۱۴)

افسانے کا آغاز قاری کو آگے بڑھ کر مذکورہ کرداروں کی حقیقت جاننے پر مجبور کر دیتا ہے۔وہ آگے بڑھتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے۔بدھیا دردِزہ سے مر رہی تھی مگر باپ (گھیسو) بیٹا (مادھو) الاؤ کے سامنے بیٹھ کر آلو بھون بھون کھا رہے تھے۔اسی دوران میں بدھیا (مادھو کی بیوی) دردِزہ سے بچہ پیٹ میں لے کر مر گئی۔

گھیسو اور مادھو کام چور اور سست تھے۔مگر انھیں اپنی کام چوری اور سستی پر پچھتاوا نہیں تھا۔دراصل ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ ان کے آس پاس جو لوگ کام کرتے بھی تھے اُن کی حالت کون سی قابل رشک تھی۔بدھیا کی موت پر انھیں دُکھ سے زیادہ پریشانی ہوئی۔کیونکہ اس موت نے باپ بیٹے کے لیے کفن خریدنے کی فکر پیدا کر دی تھی۔یہ پریشانی یوں عارضی ثابت ہوئی کہ انھیں گاؤں والوں سے کفن کے پیسے مل گئے اب اتنی محنت اور رو دھو کر حاصل کی گئی رقم کو کفن جیسی شے پر خرچ کرنا انھیں مناسب نہ لگا۔کیونکہ ان کے نزدیک کفن نے جل کر بالآخر راکھ ہی ہوتو ہو جانا تھا۔وہ ان پیسوں کا کفن خریدنے کے بجائے پیٹ کی آگ بجھانے چل پڑے۔انھوں نے خوب کھایا،خوب پیا،حتیٰ کہ بچا کھچا بانٹ بھی دیا۔خوب کھا پی کر،خوب ناچے اور نشے میں مست ہو کر گر پڑے۔

مذکورہ مختصر کہانی گھیسو اور مادھو کی ذات کے بارے کئی سوال اٹھا رہی ہے۔

مثلاً وہ آلوؤں کو چھوڑ کر بدھیا کی طرف کیوں نہیں گئے؟ بدھیا کی موت پر کفن خریدنے کے بجائے پیٹ کی آگ بجھانے کیوں چل پڑے؟ اتنی نازک صورت حال میں کھانا کھانے کا خیال ہی انھیں کیوں آیا؟ انھوں نے رقم کسی اور خواہش کو پورا کرنے میں خرچ کیوں نہیں کی؟ گھر میں بے کفن لاش کو چھوڑ کر جب وہ کفن کی خاطر گھر سے نکلے تو کیا ان کا تبھی کفن نہ خریدنے کا ارادہ تھا یا پھر پیسے مل جانے کے بعد ان کی نیت بدل گئی؟ اور اگر نیت بدلی تو ایسی

کون سی خواہش تھی جس کی خاطر ان کے فیصلے میں تبدیلی آئی؟ وہ اندر سے بجھے تھے یا پھر انھیں بجھایا گیا تھا؟

مذکورہ سوالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک تو گھیسو اور مادھو جیسے کرداروں کی نفسیاتی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔ دوسرا انھی سوالوں کے جوابات کے ذریعے اس موضوع کو بھی سمجھا جا سکتا ہے جس نے پریم چند کے اس افسانے کی مقبولیت کو بڑھانے میں شاید سب سے زیادہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ کیونکہ ان تمام سوالات کے جوابات کا تعلق انسان کی اس جبلت کے ساتھ جڑا ہوا ہے جس کا مقابلہ انسان تب سے کر رہا ہے جب سے وہ دنیا میں آیا ہے۔ راقم کے نزدیک گھیسو اور مادھو کی ذات سے متعلق اٹھائے گئے تمام سوالات بھوک جیسی طاقتور جبلت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، وہ بھوک جو ازل سے نوعِ انسانی کے لیے ایک سنجیدہ مسئلہ بنی رہی ہے۔ جس کو مٹانے کے لیے انسان چوری، ڈکیتی اور قتل تک کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ اسی بھوک کی وجہ سے وہ دوسروں کا حق مارنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔ لالچی، خودغرض، حرام خور اور سود خور بھی کہلاتا ہے۔ یہ کھیل انسانی تاریخ میں ہمیشہ سے جاری ہے۔ آنے والی نسلیں بھی اس بھوک کا مقابلہ کریں گی۔ انھیں بھی اپنے جسمانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے وہ سب کچھ کرنا پڑے گا جو ہر نسل اپنے اپنے زمانے میں کرتی رہی ہے۔ مگر اسی دنیا میں بسنے والے کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس پیٹ کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ وہ اس کے حقوق ادا کرنے میں ناکام ٹھہرتے ہیں۔ کبھی سماجی ناانصافیاں انھیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں، کبھی فطرت ان کے لیے سازگار نہیں ٹھہرتی اور کبھی ان کی اپنی ہی کاہلی اور سستی ہی فطرت کا مقابلہ نہیں کر پاتی۔ نتیجتاً بھوک غلبہ پا جاتی ہے اور وہ بھی پیٹ کی بھوک۔ انسان اپنی جنسی بھوک تو مختلف ذرائع سے مٹا سکتا ہے مگر پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے اسے لازمی طور پر کارزار جہاں میں اترنا پڑتا ہے۔

گھیسو اور مادھو بھی اس میدان میں کبھی اترے ہوں گے مگر انھیں منہ کی کھانی پڑی ہوگی۔ شاید وہ کارزار ایسا تھا جہاں پر جتنا بھی لڑ لیا جائے بالآخر شکست ہی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا، دنیا کے حکمران، جاگیردار اور سرمایہ دار بھوک پر فتح پانے والے میدان کو شاید اس طرح کا بنا ڈالتے ہیں جہاں پر فتح صرف وہی حاصل کر پاتے ہیں۔ باقیوں کو بالعموم ہارنا ہی پڑتا ہے ہارنے والے بجھ جاتے ہیں، اس بجھے ڈھیر کی طرح جس کا ذکر پریم چند نے اپنے افسانے میں کیا ہے۔ گھیسو اور مادھو بھی اندر سے ہار کر بجھ گئے تھے۔ نتیجتاً کاہلی اور سستی کو اپنا شعار بنا لیا۔ جس کے نتیجے میں ان کی بھوک میں اضافہ تو ہوا، کمی نہ آئی۔ بھوک کی جبلت ان پر اس قدر حاوی ہوگئی کہ وہ آلوؤں کو چھوڑ کر بدھیا کی طرف نہ جا سکے۔ بدھیا کی موت پر اُس کا کفن خریدنے کے بجائے پیٹ کی بھوک مٹانے چل پڑے۔ اتنی نازک صورت حال میں بھی کھانا کھانے ہی کا خیال انھیں اس لیے آیا کہ وہ اپنے فطری جسمانی تقاضے کی تکمیل سے محروم تھے۔ انھوں نے کفن کی مد میں ملنے والی رقم کو کسی اور خواہش پر خرچ اس لیے نہیں کیا کیونکہ ان کی بنیادی ضرورت پوری ہوتی تو وہ مزید کسی خواہش کو اپنے دل میں پیدا کرنے کی جرات کرتے۔

گھر میں بے کفن لاش کو چھوڑ کر جب وہ کفن کی خاطر نکلے تو واقعی وہ کفن کی خاطر ہی نکلے تھے مگر روپے ہاتھوں میں آ جانے کے بعد ان کی نیت میں پھیر آ گیا۔ پھیر کیوں آیا؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ بہت زیادہ بھوک نے ان

کی تمام حسیات کھانے کے حصول پر مرتکز کر دی تھیں۔ باقی تمام باتوں کو انھوں نے نظر انداز کر دیا یا خود بخود نظر انداز ہو گئیں۔ بدھیا جب درد ِزہ سے تڑپ رہی تھی اس وقت بھی گھیسو اور مادھو پر بدھیا کی چیخ و پکار سے زیادہ بھوک حاوی تھی۔ ویسے بھی جب جسم کو روٹی کی ضرورت ہو تو بھوک کی جبلت کا پیدا ہونا فطری بات ہے، مگر جس موقع پر گھیسو اور مادھو نے اپنی جبلی خواہش کی تکمیل کو اہمیت دی وہاں پر ان کا یہ عمل معاشرتی قوانین کے خلاف بغاوت تھی اور یہ بغاوت انھوں نے تھک ہار کر کی۔ وہ جانتے تھے کہ وہ جو کر رہے تھے معاشرتی اقدار کے خلاف تھا۔ مگر انھوں نے اُس پورے غیر منصفانہ سماج اور اس کی بنائی گئی اقدار کو ٹھکرا کر وہ کیا جو انھیں ٹھیک لگ رہا تھا۔ اور وہ جس حالت میں تھے اُس حالت میں انھوں نے متفقہ طور پر اس بے حسی کے جرم کو صحیح عمل قرار دے دیا جس کا وہ ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔

بھوک ان پر اس قدر غالب آ چکی تھی کہ وہ دو اور دو چار روٹیاں کہنے پر مجبور تھے۔ وہ جتنی بھوک برداشت کر چکے تھے اس حال میں تو وہ چاند کو بھی روٹی کی شکل سا قرار دینے پر مجبور تھے۔ انھیں کھانا کھانے کے سوا اور کوئی عمل اہم نہیں لگ رہا تھا۔ پھر کھانے کے بعد شراب پینے کا عمل خود کو فراموش کر دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وہ اپنی جبلی احتیاج پوری کرنے کے بعد اس قدر پر سکون ہو گئے تھے کہ انھوں نے اس سکون کی خیرات میں بچی ہوئی پوریاں پاس بیٹھے بھکاری کو دے ڈالیں۔ جبلت چونکہ نجات دہندہ کا کردار ادا کرتی ہے۔ یہاں بھی بھوک کی جبلت نے ان کے عضویہ کو سکون بخش کر نجات دہندگی کا فریضہ سرانجام دیا۔

بقول ڈاکٹر نعیم احمد:

''جبلت کا اصل وظیفہ عضویہ کو حالت اطناب سے واپس حالت سکون میں لانا ہے۔''(۱۵)

کہانی میں بھی بھوک کی جبلت نے ان کا جسمانی تقاضا پورا کر کے ان کے عضویہ کو سکون پہنچا دیا مگر ممکن ہے انھیں دوبارہ ہوش میں آ کر یہ جان کر افسوس ہو کہ بدھیا بار بار مرنے والی نہیں۔

فرائیڈ کے مطابق تو جبلت بار بار اطناب یا کھچاؤ سے عضویہ کو حالت سکون میں لے آتی ہے مگر ہو سکتا ہے کہ گھیسو اور مادھو کے ساتھ جبلت یہ کھیل کھیلے کہ ان کے عضویہ میں بار بار کھچاؤ اور اطناب تو پیدا کرے مگر انھیں سکون کی حالت میں نہ لے کر آئے۔ مجموعی طور پر افسانہ ''کفن'' کی مقبولیت کے اسباب میں اس افسانے کا موضوع خاص طور پر اس حوالے سے اہم ہے کہ ایک تو اس میں انسانی افلاس اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بھوک کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دوسرا یہ افسانہ جس زمانے میں لکھا گیا ہے وہ زمانہ جنگِ عظیم اول کے بعد کا زمانہ تھا، پھر انگریزوں کی اجارہ داری کا زمانہ تھا، جس کے نتیجے میں ہندو مسلم معاشی سطح پر روز بروز تنگ دست ہوتے جا رہے تھے۔ لہٰذا اس زمانے میں بھی لوگوں کو اس موضوع میں کشش محسوس ہوئی۔ اس کے بعد دوسری جنگِ عظیم نے رہی سہی کسر نکال دی۔ عالمی سطح پر بھوک میں مجموعی طور پر اضافہ ہی ہوا، پھر ۱۹۴۷ء میں تقسیم کا دور آیا اور تقسیم کے بعد کے حالات نے بھی مہاجرین اور پاکستان میں بسنے والے ایک مخصوص پسماندہ طبقے کے لیے بھوک جیسے سنگین مسئلے کو قائم رکھا۔ ان

تمام ادوار میں جہاں اس کا موضوع عوام کی توجہ بنتا رہا، وہاں اس کا عنوان بھی توجہ کھینچتا ہے آج بھی ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ہم نے مکمل طور پر غربت پر فتح حاصل کر لی ہے۔ افسانہ ''کفن'' کی مقبولیت میں دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ یہ پہلو بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اسے پاک و ہند کے اُردو نصابات میں کافی حد تک جگہ ملی ہے۔ظاہری بات ہے جو فن پارہ نصابات کا حصہ بن جائے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہونا لازمی بات ہے۔ اسی طرح اس افسانے پر ہندوستانی ادیب گلزار ڈراما بھی بنا چکے ہیں۔اس ڈرامے نے بھی کسی نہ کسی حد تک اس افسانے کی شہرت میں اضافہ ہی کیا ہے۔

اگر یہ دیکھا جائے کہ اُردو افسانے میں ایسا کون سا افسانہ نگار ہے جس کے افسانوں کے انتخابات زیادہ تعداد میں شائع ہوئے ہیں، یعنی ایسا انتخاب جس میں ایک ہی افسانہ نگار کے افسانوں کو بنیاد بنا کر انتخاب مرتب کیا جائے تو اس حوالے سے بھی پریم چند کی مقبولیت کسی سے کم نہیں ہے۔ اب پریم چند کے انتخابات میں افسانہ ''کفن'' شامل نہ ہو، یہ مشکل بات ہے، یہی تمام وجوہات افسانہ ''کفن'' کی شہرت کو روز بروز بڑھاتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔

''کفن'' کے علاوہ غلام عباس کا ''آنندی'' سعادت حسن منٹو کا ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' انتظار حسین کا ''آخری آدمی'' راجندر سنگھ بیدی کا ''لاجونتی'' کرشن چندر کا ''کچرا بابا'' ممتاز مفتی کا ''آپا'' اشفاق احمد کا ''گڈریا'' عصمت چغتائی کا ''چوتھی کا جوڑا''

قرۃ العین حیدر کا ''ستاروں سے آگے'' بلونت سنگھ کا ''جگا'' اور احمد ندیم قاسمی کا ''گنڈاسا'' وہ افسانے ہیں جنھیں اُردو افسانے کے انتخابات میں بار بار منتخب کیا گیا۔ان افسانوں کو بھی ''کفن'' سے زیادہ نہیں تو اس کے قریب قریب شہرت ضرور ملی ہے۔

ان تیرہ افسانہ نگاروں کی اور ان کی تخلیقات کی اہمیت اپنی جگہ مگر مجموعی طور پر صنف افسانہ کی مقبولیت اور اس کے تخلیقی منصب کو بڑھانے میں چند اور افسانہ نگاروں کا بھی حصہ ہے۔جن کا ذکر نہ کرنا ادبی ناانصافی ہے، ویسے بھی یہ افسانہ نگار ایسے نہیں ہیں کہ جن کو انتخابات میں جگہ نہ ملی ہو بلکہ ان تخلیق کاروں کا شمار بھی ان افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے جن کو اُردو افسانے میں نہ صرف شہرت ملی بلکہ ان کو بھی اُردو افسانے کے انتخابات میں منتخب کیا گیا ہے مگر نسبتاً کم منتخب کیا گیا ہے، اس کی وجہ مرتب کا ذاتی ذوق بھی ہو سکتا ہے اور قارئین کا بھی۔ بہر حال اس موضوع پر راقم اس سے قبل بھی بات کر چکا ہے، یہاں مقصود صرف یہ ہے کہ ان افسانہ نگاروں کے افسانوں کا بھی حوالہ دیا جائے جن کے افسانے نہ صرف مقبول بھی ہیں بلکہ انھیں ہر طرح کے قارئین کی طرف سے قبولیت اور پسندیدگی کی سند مل چکی ہے۔

مثلاً بانو قدسیہ کا افسانہ ''انتر ہوت اداسی'' اسد محمد خان کا ''ترلوچن'' انور سجاد کا ''گائے'' ہاجرہ مسرور کا ''عاقبت'' نیر مسعود کا ''طاؤس چمن کی مینا''، مرزا حامد بیگ کا ''مغل سرائے'' حیات اللہ انصاری کا ''آخری کوشش'' علی عباس حسینی کا ''میلہ گھومنی'' جیلانی بانو کا ''موم کی مریم'' محمد سلیم الرحمٰن کا ''سائبیریا'' سید محمد اشرف کا ''آدمی'' ابراہیم جلیس کا ''دودھ کی مکھی'' سید رفیق حسین کا ''گوری ہو گوری'' خالدہ حسین کا ''پرندہ'' رشید

امجد کا ''ست رنگے پرندے کے تعاقب میں'' سریندر پرکاش کا ''بجوکا'' بلراج مین را کا ''وہ'' رضیہ سجاد ظہیر کا ''اللہ دے بندہ لے'' واجدہ تبسم کا ''اترن'' ممتاز شیریں کا ''آئینہ'' قدرت اللہ شہاب کا ''ماں جی'' احمد داؤد کا ''دشمن دار آدمی''، بلراج کومل کا ''کنواں'' رحمان مذنب کا ''تِتلی جان'' اور آغا بابر کا ''گلاب دین چِٹھی رساں'' قابل ذکر افسانے ہیں۔ ان افسانوں کے علاوہ بھی کئی افسانہ نگاروں کے اہم افسانے ہیں جن کا ذکر راقم نہیں کر سکا۔ مذکورہ افسانوں کی فہرست نامکمل ہے، کیونکہ کئی اور ایسے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اُردو افسانے کو تخلیقی سطح پر توقیر بخشی ہے۔

مجموعی طور پر اُردو افسانے کے انتخابات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن افسانہ نگاروں اور جن افسانوں کو اُردو افسانے کے انتخابات میں جگہ ملی ہے وہ تخلیقات یقیناً اس شہرت و مقبولیت کے قابل تھیں، چند مثالوں کو چھوڑ کر بیشتر مرتبین نے انتخابات میں انھیں تخلیق کاروں کی تخلیقات کو جگہ دی جو واقعی اس قابل تھیں کہ انھیں بار بار انتخابات میں شائع کیا جاتا۔

حوالہ جات:

۱۔ نوراللغات، جلد اول، مولوی نورالحسن نیر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص: ۳۹۰

۲۔ فرہنگ آصفیہ، جلد اول، مرتبہ، سید احمد دہلوی، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۲۴۰

3. Mariam Webster, (11th ed.). Spring field, Mariam Webster

4. Kitabistan, Bashir A. Qureshi, Kitabistan Publishing, Lahore, Page No: 29

۵۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اُردو تنقید کا ارتقا، انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۰۲

۶۔ مرزا حامد بیگ، اُردو افسانے کی روایت، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء ص: ۱۹

۷۔ پروفیسر حامدی کاشمیری، اُردو افسانہ ــــــ تجزیہ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۶،۲۵

۸۔ اُردو افسانے کی روایت، ص: ۱۹

۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، ایک صدی کے افسانے، مقبول اکیڈمی، لاہور، س ن، ص: ۱۲۴

۱۰۔ محمد حسن عسکری، مرتبہ: میرا بہترین افسانہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص: ۸،۹

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۴

۱۲۔ انتظار حسین، آصف فرخی، انتخاب؛ پاکستانی کہانیاں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۱،۱۰

۱۳۔ شفیق مرزا، عفیف طہٰ، مرتبہ: دھنک، دارالعلم پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء،

۱۴۔ اورنگزیب عالمگیر، ڈاکٹر، مرتبہ: اُردو کے ۱۲۵ افسانے، القمر انٹر پرائزر، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۴۶

۱۵۔ نعیم احمد، ڈاکٹر، فرائیڈ، نظریہ تحلیلِ نفسی، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص: ۴۳

مآخذ:

۱۔ انتظار حسین، آصف فرخی، انتخاب، پاکستانی کہانیاں، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔

۲۔ انور سدید ڈاکٹر، ایک صدی کے افسانے، لاہور، مقبول اکیڈمی، س۔ن۔

۳۔ اورنگ زیب عالمگیر، ڈاکٹر، مرتبہ، اردو کے ۲۵ افسانے، لاہور، القمر انٹر پرائزر، ۲۰۱۰ء۔

۴۔ حامد کشمیری، پروفیسر، اردو افسانہ—تجزیہ، دہلی، مکتبہ جامعہ، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ سعید احمد دہلوی، مرتبہ، فرہنگ آصفیہ، جلد اول، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۰ء۔

۶۔ شفیق مرزا، عفیف طہٰ، مرتبہ، دھنک، لاہور، دار العلوم پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء۔

۷۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اردو تنقید کا ارتقاء، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۱ء۔

۸۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء۔

۹۔ نعیم احمد، ڈاکٹر، فرائیڈ نظریہ تحلیل نفسی، مشعل بکس، ۲۰۰۶ء۔

۱۰۔ نور الحسن، مولوی، نور الغات، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء۔